ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

احمد بشیر کے خاکوں میں حقیقت کے مظاہر

i. محمد عرفان
ii. ڈاکٹر محمد نعیم گھمن
لیکچرار اردو گورنمنٹ شالیمار کالج لاہور
iii. گل جنت

ABSTRACT
Sketch-writing needs a very keen observation on the writer. Although Urdu had a long tradition of literary sketch writing but with the push of progressive movement it tended towards realism. Ahmad Bashir is such a sketch writer who proved his skill with a photographic vision. He is renowned due to his minute details of the personality. We presents some of the salient features of Ahmad Bashir sketches with a healthy expression.
***Keywords**: sketch .writing , progressive movement ,realism, renowned, expression*

احمد بشیر کا اوڑھنا بچھونا سوشل ازم تھا۔ احمد بشیر صحافت کے شعبے سے وابستہ تھے۔ ان کی وابستگی شعبہ صحافت سے شکم کی آگ بجھانے کی خاطر تھی ورنہ ان کے باطن میں ایک معصوم ادیب چپ چاپ دم سادھے بیٹھا تھا۔ احمد بشیر ساری زندگی ادیبوں اور شاعروں کی محفلوں کا تارا بنے رہے۔ نامور ادباء کے وہ ہم نشین رہے یہی وجہ ہے کہ ان ادباء کے خاکے جو احمد بشیر نے لکھے ان شخصیات کے ظاہری اور باطنی عادات واطوار سے مزین نظر آتے ہیں۔ ان کے خاکے خارجی سے زیادہ داخلی محسوس ہوتے ہیں۔ انہوں نے مختلف رسائل میں ان شخصیات کے خاکے لکھے وہ ان خاکوں کو کتابی شکل میں شائع نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن یونس جاوید کے اصرار پر اس کو جمع کرنے اور شائع کرنے کی اجازت دی۔ ان خاکوں کے مجموعے کا بڑا ہی اچھوتا نام "جو ملے تھے راستے میں" رکھا۔۔۔۔۔ احمد بشیر نے یونس جاوید کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے جو کہ اس کتاب کا انتساب بھی ہے، ملاحظہ کریں۔

"پیارے یونس جاوید

صحافت میں میرا اچھا خاصا نام تھا۔ تم نے میری

پرانی دھجیاں جمع کر کے کتاب بنادی۔ اب اگر

ادیبوں کے قبیلے نے مجھے قبول نہ کیا تو؟۔۔۔"۱

احمد بشیر بنیادی طور پر صحافی کے طور پر جانے جاتے ہیں لیکن ان کے خاکوں میں کمال کی ندرت اور جدت ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اردو خاکہ نگاری جتنی سہل معلوم ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ یہ ایک نازک اور دلچسپ فن ہے۔ اس میں معمولی سی غفلت خواب پریشان اور خود نمائی کا سبب بن سکتی ہے۔ احمد بشیر کے خاکوں کے تجزیے سے پہلے خاکہ نگاری کی تعریف کو سمجھنا ضروری ہے۔ ادب میں اصطلاح خاکہ نگاری انگریزی Sketch کا اردو ترجمہ ہے۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"ادب کی صنف کے لیے انگریزی میں اسکیچ یا پین پورٹریٹ

(PEN PORTRAIT) کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اردو

میں اسے خاکہ کہتے ہیں۔"۲

اردو میں خاکے کو شخصیت نگاری اور مرقع نگاری بھی کہا جاتا ہے۔ خاکہ نگاری کے ذریعے شخصیات کا مطالعہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے خاکہ میں مزاح کا ہونا تحریر میں شگفتگی لاتا ہے لیکن اگر یہ مزاح طنز میں بدل جائے تو خاکہ طنز کا مرقع بن جائے گا اس امر کا جائزہ ڈاکٹر عبد الغنی نے یوں لیا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

"ایک حس مزاح وسیع ترین معنوں میں تحریر کے اندر خوشبو

کی طرح بسی ہوئی ہے۔کچھ ظرافت کے انداز بھی پائے جاتے

ہوں اور طنز تمسخر کا شائبہ بھی موجود ہو تو مضائقہ نہیں۔"۳

خاکہ،نہایت مختصر عرصے میں ادب کی اہم صنف کا درجہ اختیار کر گیا ہے کیونکہ ادب بنیادی طور پر انسان ہی کے مطالعے اور مشاہدے کا کام کرتا ہے اور خاکے میں انسانی مشاہدے اور مطالعے کا پہلو باقی اصناف ادب کی نسبت زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔خاکہ نگاری ادب کی ایسی نگری ہے جس کی سرحد تاثراتی اور سوانحی اور مزاحیہ مضامین سے ملتی ہیں۔اس لیے عام طور پر ادبا خاکہ لکھتے ہوئے غیر شعوری طور پر کسی دوسری بستی میں جانکلتے ہیں۔اس لیے خاکہ مردم آشنائی سے زیادہ مردم شناسی کا متقاضی ہوتا ہے۔خاکہ شخصیت کی کھدائی کا دوسرا نام ہے اس میں عام طور پر خاکہ نگار شخصیت باطن کی تہوں میں پڑے ہیرے،جوہرات یا پتھر نہایت مہارت اور سلیقے سے بر آمد کر لیے جاتے ہیں۔خاکہ نگاری کی تعریف پروفیسر شمیم حنفی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"کامیاب خاکہ نگاری وہ ہے،جس کی آستین میں روشنی کا

سیلاب چھپا ہوا ہو اور جو واقعات کی اوپری پرت کے نیچے،

معمولات کے ہجوم میں کھوئی،ایسی حقیقتوں کو بھی اپنی گرفت

میں لے سکے،جن تک عام لکھنے والوں کی نگاہ پہنچتی ہی نہیں

اس لیے ہر اچھا خاکہ ایک دریافت ہوتا ہے۔کسی کہانی یا شعر

کی طرح،ہم اس واسطے سے زندگی کی عام سچائی تک پہنچنے

کے بعد بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سچائی کو ہم نے آج ایک

زوایے سے دیکھا ہے اور یہ کہ معنی کی ایک نئی جہت ہم پر روشن

ہوئی ہے۔"۴

احمد بشیر کے خاکوں میں بڑا تنوع ہے اور اسکے خاکوں میں سیاست دان،شاعر،صحافی،افسانہ نگار،معلم،کھلاڑی سبھی شامل ہیں۔ان سے احمد بشیر بے حد متاثر ہیں ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن سے احمد بشیر نظریاتی اختلاف بھی رکھتا ہے۔احمد بشیر کا اپنا سیاسی نظریہ تھا وہ فکری طور پر ترقی پسند تھے لیکن اس کے باوجود انکا زیادہ وقت اشفاق احمد،ممتاز مفتی اور بانو قدسیہ کے ساتھ گزرا ہے اور وہ چھڈیار کے ٹولے کے سرخیل تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان خاکوں میں ہر طرح کے لوگ موضوع ہیں۔احمد بشیر نے جن شخصیات کو موضوع بنایا انہیں ان کے فکری رویوں کے ساتھ برتا ہے ان کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے ان کی نفسیات کو پرکھا ہے۔ان کے دل کے نہاں خانوں میں سیر کی ہے۔ان پر شخصیات کی خوبیاں اور خامیاں آشکار ہوتی ہیں۔ایک طویل مدت ان شخصیات کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے کے بعد یہ خاکے لفظوں کے پیرہن میں نظر آئے ہیں۔

احمد بشیر نے اپنے خاکوں میں جن شخصیات کے خاکے لکھے ہیں ان میں چراغ حسن حسرت،مولانا حسرت موہانی،میراجی،احسان دانش،ظہیر کاشمیری،ممتاز مفتی،خواجہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

خورشید انور، قدرت اللہ شہاب، وارث میر، میجر اسحاق، کشور ناہید، عبد الحمید بھٹی اور بریگیڈیئر عاطف شامل ہیں۔

احمد بشیر اپنے خاکوں کے مجموعے کو چھپوانے میں سنجیدہ نہیں تھے۔ مختلف اوقات میں لکھے گئے خاکوں کو جمع کرنا ان کی از سرے نو ترتیب و تدوین کرنا احمد بشیر کے لیے مشکل ترین کام تھا۔ یونس حبیب نے ان خاکوں کو شائع کرنے کا کام اپنے ذمے لیا تو انہوں نے اس کتاب کی اشاعت ممکن بنائی، یونس حبیب نے "جوگی" کے نام سے احمد بشیر کا ایک بڑا ہی عمدہ خاکہ لکھا اور اس خاکے میں اس کتاب کی اشاعت کا مقصد بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"دوستو۔۔۔ احمد بشیر نے میرے لیے، آپ کے لیے، اس
وطن کے لیے سب کے لیے اتنا کچھ کہا، سنا اور لکھا ہے کہ مجھے
اس کے لیے تھوڑی سی خدمت کرتے ہوئے مسرت ہو رہی
ہے ایسی مسرت جو کسی تخلیقی کاوش کے بعد نصیب ہوتی ہے۔"۵

احمد بشیر کے خاکوں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا طویل دیباچہ جو کہ "پھر رہا ہے شہر میں ملا کھلا" کے جاذب نام سے لکھا گیا بڑا ہی معاون ثابت ہوتا ہے۔ احمد بشیر کے خاکے جب رسائل میں ہی شائع ہو رہے تھے تو ان کی شہرت ادبی حلقوں میں پہنچ چکی تھی۔ احمد بشیر نے جب مولانا چراغ حسن حسرت کا خاکہ لکھا تو اس کے شائع ہوتے ہی احمد بشیر پر مختلف علماء نے کفر کے فتوئے لگا دیئے اور اسکو مرتد اور روسیاہ کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ واجب القتل بھی ٹھہرا دیا۔ احمد بشیر نے علماء کی تنگ نظری اور تعصب کو شدید طنز کا نشانہ بنایا جس کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں کیا۔ اس کے عنوان سے احمد بشیر کے غم و غصہ کا اظہار ہو رہا ہے، احمد بشیر نے اس دیباچے میں اپنے دوستوں کا بھی نوحہ لکھا ہے کہ انہوں نے اس مذہبی انتہا پسندی کے خلاف اس کی مدد نہیں کی۔ اس دیباچے میں لفظی لعن طعن پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان علماء کی حرکات و سکنات کا نقشہ بھی بڑے ہی احسن انداز میں پیش کیا ہے، ملاحظہ کریں۔

"میں نے بعض بڑے مولانا صاحبان کو شام ڈھلے بھاٹی دروازے
سے ہیرا منڈی کی طرف جاتے دیکھا ہے، مگر وہ بھیجے کے پائے کھانے
کے لیے جاتے ہیں اور بھیجے کے پائے کھانے پر شرعی حد نہیں
جاری ہو سکتی۔ پائے تو مولانا عبد القادر آزاد، ڈاکٹر اسرار احمد
مولانا مرتضی ملک اور دیگر علماء کو بھی پسند ہیں جن کی بغیر محنت
کی کمائی کے خمیر سے ان کے پیٹ پھولے ہوئے ہیں مگر وہ
ہیرا منڈی نہیں جاتے وہ اپنے شاگردوں کے ذریعے بھری
بھرائی دیگچیاں گھروں پر منگوا لیتے ہیں۔"۶

احمد بشیر نے اپنے قتل کے فتوؤں پر افسوس کا اظہار کیا جس طرح وہ ان فتوی دینے والے علماء پر شدید برہم ہوئے اور ان کے اس فتوی کی شدید مذمت کی وہیں پر اس بات سے حیران ہوئے کہ ان کی مدد کے لیے کوئی بھی روشن خیال نہیں آیا۔ احمد بشیر کو فتوئے سے زیادہ تکلیف ان کی مجرمانہ خاموشی پر ہوئی۔ احمد بشیر نے علماء کی تنگ نظری اور مغرب کی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کو بھی آپس میں جوڑا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب علماء اس طرح کے فتوئے دیں گے تو مغرب کی ہرزہ سرائی کو مزید ہوا ملے گی اور اس میں کہیں نہ کہیں صداقت کا شائبہ بھی نظر آئے گا۔ اس رویے کی ان الفاظ میں نشاندہی کی ہے۔

"مولوی صاحبان کے پاس اسلام کے نام پر دینے کو کچھ نہیں
وہ نہیں جانتے کہ اسلام تو اونچ نیچ کو ہموار کرنے کا نصاب ہے
اور اس کا مقصد انسان ہے مگر مولوی صاحبان مُصر ہیں کہ یہ ایک
قتل کرنے والا اور کوڑے مارنے والا خونخوار مذہب ہے۔ یہی تو
مغرب کہتا ہے"۷

احمد بشیر کی کتاب میں جو خاکہ ممتاز مفتی جیسے نامور ادیب نے لکھا وہ بھی احمد بشیر کی شخصیت اور اسکی نفسیات کا بغور جائزہ ملتا ہے۔ احمد بشیر کو ممتاز مفتی نے پکا دانشور کہا ہے اور احمد بشیر کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ہر بات کو عقل و ادراک کے پیمانے پر پرکھتا ہے اگر وہ اسکی کسوٹی پر پوری نہ اترتی تو اسے یوں رد کر دیتا جیسے حقیقت نہیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

مفروضہ ہے۔احمد بشیر حقیقت پسندی کے اس مضبوط خول کے باوجود اپنی بد قسمتی کے چکر سے نکلنے کے لیے روحانیت کا سہارا لیتا ہے۔اس کام کے لیے وہ بورئے والا کا سفر کرتا ہے۔احمد بشیر حسن پرست تھا لیکن وہ اپنی حسن پرستی میں ہوس کی پرچھائی بھی نہیں پڑنے دیتا وہ لڑکیوں کو چھیڑتا ہے ان کے ساتھ ہنسی مزاح کرتا ہے لیکن اپنی ہوس کو اس پورے عمل میں قریب بھی نہیں آنے دیتا۔احمد بشیر کی اس عادت کو ممتاز مفتی نے یوں بیان کیا ہے۔

"اس کی چھیڑ چھاڑ میں غنڈے پن کی جھلک ضرور تھی لیکن خواہش
یا ہوس کا عنصر نہ تھا۔دراصل اسے لڑکیوں سے دلچسپی نہ تھی بلکہ
لڑکیوں سے دلچسپی کے مظاہرے کا شوق تھا۔احمد بشیر جنس کا
شیرا گاڑھا نہیں بلکہ ایسا لطیف ہے کہ اس پر شربت صندل کا گمان
ہوتا ہے۔احمد بشیر کو خالی کھیل سے دلچسپی تھی۔"۸

احمد بشیر محبت کے معاملے میں شدت پسند نظریات رکھتا تھا اور اسکو سب سے زیادہ گالیاں دیتا جس سے وہ شدید محبت کرتا۔اسے گالیاں دینے کا بڑا شوق اور جنون تھا ۔شوق کے اس نخل کی آبیاری کے لیے وہ اپنی محبت کو معاف نہیں کرتا۔احمد بشیر نے مصباح نامی لڑکی سے شدید محبت کی اور اسکو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی متاع گردانتا تھا اس کے ساتھ ہنسنا اس کے ساتھ کھیلنا اسکے ساتھ باتیں کرنا اس کے ساتھ وقت گزارنا اس کا روزانہ کا معمول تھا۔احمد بشیر مصباح کی تواضع بھی کئی مرتبہ گالیوں سے کرتا تھا۔جب ایک دفعہ اس نے مصباح کو گالیاں دیں تو وہ چلی گئی اور اس نے کسی اور سے شادی کر لی تو وہ اسے ملنے آئی اس وقت جذباتی فضاء اور احمد بشیر کی گالیوں کے انداز کی ممتاز مفتی نے یوں ہلکی سی جھلک پیش کی ہے۔

"حرامزادی دور ہو جاؤ یہاں سے،احمد بشیر غرایا اور وہ ایک اپاہج
کی طرح لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔پھر احمد بشیر اور
مصباح کا ساتھ چھوٹ گیا۔مصباح نے شادی کر لی اور ملازمت
سے استعفی دے دیا۔چند برس بعد اتفاقاً سر راہے احمد بشیر اور مصباح
کی ملاقات ہو گئی۔اور آہ بھر کے کہنے لگی۔"یار تمہارئے بعد مجھے کسی نے
گالی نہیں دی"احمد بشیر نے کہا"حرام زادی۔زندگی اسی کا نام ہے
پھر کوئی گالی نہیں دیتا۔"۹

احمد بشیر نے اپنی کتاب میں پہلا خاکہ مولانا چراغ حسن حسرت کا شامل کیا ہے۔یہی وہ خاکہ ہے جس کی وجہ سے احمد بشیر پر فتوئے لگے اور اس کو واجب القتل قرار دیا گیا ۔اس نے اس خاکے کا نام۔"انٹرویو"رکھا ہے۔اس خاکے میں مولانا چراغ حسن حسرت جو معروف ادیب ہیں ان کی عادات و صفات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے ۔احمد بشیر کہتا ہے کہ اگر مولانا کو چائے پینے کی عادت نہ ہوتی شاید وہ صحافی نہ بن سکتا اور اسکی زندگی کا رخ بھی متعین نہ ہوتا۔حلیہ نگاری خاکہ کا اہم جزو سمجھی جاتی ہے بعض خاکہ نگاروں نے حلیہ نگاری کی طرف خصوصی توجہ دی ہے مگر دور جدید کے خاکہ نگار حلیہ نگاری کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے احمد بشیر کے ہاں بھی حلیہ نگاری کی کوئی باقاعدہ تصویر نظر نہیں آتی مگر اس کی ہلکی ہلکی پرچھائیاں ضرور ملتی ہیں۔احمد بشیر جب نوکری کے حصول کے لیے مولانا چراغ حسن حسرت کے دفتر میں جاتا ہے تو مولانا کا حلیہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"کرسی مولانا چراغ حسن حسرت کے وجود سے بھری پڑی تھی۔
دہرئے تن و توش کے آدمی تھے۔موٹی موٹی لال آنکھیں،گچھا سی گھنی

مونچھیں،کشادہ پیشانی،سر کے بال دونوں کانوں کے اوپر سیدھے کھڑئے

ہوئے۔وہ ایک دیو ہیکل آدمی تھے۔علم ان کے چہرئے پر پسینے کی طرح رس رہا تھا"۱۰

مولانا چراغ حسن حسرت کے خاکے میں احمد بشیر نے لاشعوری طور پر مولانا کی تحلیل نفسی کر کے اس کو بڑئے ہی عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔مولانا چراغ حسن حسرت اپنے دور کے نامور ادیب اور صحافی تھے ان کی شہرت ایک مذہبی آدمی کی تھی اور ان کا علمی و ادبی شہرہ پورئے ہندوستان میں تھا۔مولانا چراغ حسن حسرت کو احمد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

بشیر اپنی باتوں کے سحر میں یوں جکڑ لیا کہ ان پر مولانا کی شخصیت کی تہیں کھلتی چلی گئیں۔ احمد بشیر نے کسی ماہر نفسیات کی طرح مولانا کے تحت شعور میں چھپی ہوئی خواہشات کو عملی جامع پہنانے کے لیے مولانا کی مدد کی۔ یہاں تک کے صوم صلوۃ کے پابند مولانا احمد بشیر کے ساتھ ہوٹل پہنچ جاتے ہیں اور ناپسندیدہ مشروب کے جام سے جام ٹکرا کر پینا شروع کر دیتے ہیں۔ جام سے جام ٹکرانے کے اس منظر کو احمد بشیر نے یوں بیان کیا ہے۔

"اتنے میں وہسکی آگئی اور مولانا اور میں جام ٹکرا ٹکرا کر پینے لگے۔ دو
پیگ کے بعد مولانا کچھ اور کھل گئے مگر ان کے رکھ رکھاؤ اور آداب میں
کوئی فرق نہ آیا۔ دس بجے جب مولانا اور میں سات سات پیگ پی چکے۔"۱۱

شراب سے لطف اندوز ہونے کے بعد مولانا نے پکا گانا سننے کی خواہش کا اظہار کیا اور خود ہی بتا دیا کہ فلاں کوٹھے پر موجود ایک طوائف گانے میں بڑی مشاق ہے۔ احمد بشیر کہتا ہے کہ شراب کے دور سے گزرنے کے بعد میں اور مولانا کوثر طوائف کے کوٹھے پہ جا پہنچے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا چراغ حسن حسرت علم و فضل کی دبیز چادر اوڑھنے کے باوجود باطن میں ایک طوفان موجزن تھا جو فطرت کے بنائے ہوئے حسن سے دل بہلانے اور اسکی آواز سے حظ اٹھانے کی خواہش کتنی مدت سے انگڑائیاں لے رہی ہو گی جس کی تکمیل کا وقت آج آ پہنچا۔ نفسیاتی حوالے سے احمد بشیر کا یہ خاکہ اردو ادب کا شاہکار خاکہ گردانا جاتا ہے۔ کوثر کے کوٹھے پر مولانا کی کیفیت کو احمد بشیر نے خاکے میں کس انداز میں بتایا ہے، ملاحظہ کریں۔

"مولانا چونکہ میں نے جس اعتماد سے رائے دی تھی اس کی وجہ سے
مولانا کو مجھ سے الجھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ بے شک دونوں بھی لگ سکتے ہیں،
انہوں نے کہا بجا ارشاد۔ استاد بولا۔ چھوٹے صاحب بہت گنی معلوم
ہوتے ہیں۔ ہماری اصلاح ہو گئی۔ اشارہ پا کر کوثر نے دوبارہ گانا
شروع کر دیا۔ مولانا اسے نوٹ دینے لگے اور جھومنے لگے رات
بہت سہانی ہو گئی۔"۱۲

احمد بشیر نے "اکیلا" کے عنوان سے اردو ادب کے نامور شاعر میراجی کا خاکہ تحریر کیا ہے۔ میراجی کا شمار اردو شاعری کے بلند آہنگ شعراء میں ہوتا ہے۔ احمد بشیر اور میراجی میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ میراجی کو تنہائی پسند تھی اور خلوت ان کی جاگیر تھی۔ میراجی حلقہ ارباب ذوق سے بھی وابستہ رہے اور رومانیت کے شاعر تھے ان کی شاعری میں رومانیت کے عناصر ہر سو بکھیرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ احمد بشیر نے میراجی سے آخری ملاقات بمبئی میں کی یہاں پہنچنے والا ہر ادیب کرشن چندر کے گھر کو ہی اپنا آشیانہ بناتا تھا۔ ممتاز مفتی کے ساتھ احمد بشیر جب کرشن چندر کے گھر پہنچا تو اس نے میراجی کا جو حلیہ بیان کیا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ احمد بشیر رقمطراز ہیں۔

"جنگلے کے اندر ایک پھٹی دلائی پر میراجی سورج کی طرف منہ کئے،
دھرنا مارے، دھیان لگائے بیٹھا تھا، پاس ہی بوسیدہ اخباروں کا
ایک بنڈل رکھا تھا۔ میراجی نے چار خانہ کھدر کی موٹی قمیض اور
خاکی کاڈرائے کی پتلون پہن رکھی تھی۔ اس کے گھنے بال گڈمڈ ہو
رہے تھے۔ ان سفید اور نیم سفید بالوں کی پتلی پتلی لٹیں بھی تھیں۔
مجموعی طور پر اس کا سر راکھ کا ڈھیر معلوم ہوتا تھا۔ صبح کی سنہری
دھوپ اس راکھ پہ خوب چمک رہی تھی۔"۱۳

میراجی کا واسطہ کسی مذہب سے نہیں تھا۔ میراجی مذہبوں اور قوموں سے نہیں بلکہ ذہنوں سے نفرت کرتے تھے۔ میراجی کا پسندیدہ مذہب بدھ مت تھا وہ کسی مذہب کے لیے منفی جذبات بھی نہیں رکھتے تھے۔ میراجی تنہائی کے رسیا تھے اور وہ آواگون کے فلسفہ پر یقین رکھتے تھے۔ میراجی کو نجات یا نروان کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو بندش میں گرفتار نہیں کر سکتے تھے وہ مذہب کی حدود و قیود سے کوسوں دور ہی رہتے۔ اسکا نروان صرف و صرف اپنی انا کی تسکین تھی۔ میراجی مذہب کے بندھنوں سے آزاد تھے۔ ان کے مذہب سے متعلق خیالات بھی اپنی ہی اہمیت رکھتے تھے۔ میراجی آزادی پسند تھے لیکن ان کی آزادی اپنی ذات تک ہی محدود تھی وہ اپنی زندگی کی مستی میں شاداں رہتے تھے۔ ان کے مذہب کے متعلق خیالات کی احمد بشیر نے اسطرح عکاسی کی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

"میراجی کو مذہب سے واسطہ نہ تھا۔ اسے انسانوں سے ظاہری
ہمدردی تھی۔ ایسی ہمدردی جیسی راہ چلتے کسی روتے ہوئے بچے
کو دیکھ کر ہو جاتی ہے، ہندو، مسلمان، سکھ، سب میراجی کے
لیے روتے ہوئے بچے تھے۔ وہ ان روتے ہوئے بچوں کو
دیکھتا اور اپنی راہ چلتا رہتا۔"۱۴

میراجی کو اس بات سے بڑی تسکین ہوتی تھی کہ لوگ اسے پر اسرار سمجھیں اس کے جنون میں عجیب عجیب حرکتیں بھی کرتا تھا۔ میراجی ایک دن میں چالیس کے قریب پان کھاتے تھے۔ میراجی کو چاندنی رات سے شدید محبت تھی وہ اپنی جیب سے کھانا کھانا جرم سمجھتے تھے اور ہمیشہ کسی دست کی گرہ سے کھانا کھاتے اور اس کا احسان بھی نہیں

مانتے تھے۔ میراجی جنسی لذت کو ہی متاع حیات سمجھتے تھے انہوں نے ساری زندگی اس لذت کی تسکین میں گزار دی۔ میراجی نے لذت پرستی نہ چھوڑی مگر دنیا چھوڑ دی۔ میراجی کا تصور لذت بھی عام انسانوں سے مختلف تھا وہ لذت پرستی کے لیے کسی کی محتاجی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ میراجی کا تصور عشق بھی روایتی نہیں تھا۔ انہوں نے میرا سین سے محبت کی اور اپنے انداز میں بھرپور عشق بھی کیا وہ اس کو کن آکھیوں سے دیکھتا رہا اور اس کو دل میں بسانے کی بجائے اسکا نام اختیار کر کے ساری دنیا کی عورتوں سے آزاد ہو گیا۔ میراجی شراب کا بھی رسیا تھا وہ اس شوق کو بھی خوب نبھاتا نظر آتا تھا لیکن منٹو سے بے عزتی کروانے کے بعد میراجی نے شراب چھوڑ دی۔ احمد بشیر نے میراجی کی شخصیت کے پوشیدہ گوشوں کو نمایاں کیا ہے اسکی عادات اور اطوار کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ میراجی کے انداز زندگانی کے تقریباً تمام پہلوؤں کو عمیق نظری سے پیش کیا ہے لیکن خاص طور پر میراجی کی جنسی آسودگی کے ذرائع بڑی ہی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ میراجی اپنی جنسی تسکین کے لیے اپنے ید بیضا کا ذکر بڑے تفاخر سے کرتے تھے۔، میراجی کو اپنی جنسی آسودگی کے لیے کسی بھی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی وہ اپنے بزور بازو پر کامل بھروسہ کرتے تھے اور اس میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ احمد بشیر نے جس انداز سے میراجی کی جنسی آسودگی کے حصول کو بیان کیا ہے وہ بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔، ملاحظہ کریں۔

"میراجی کی ساری زندگی "ید بیضا" کے معجزوں اور ان کے
ذکر میں گزری۔ آخری عمر میں جب معجزئے فطری طور پر کم
ہو گئے تو ان کا ذکر بھی کم ہو گیا مگر جب بھی موقع آتا میراجی
ڈینگ مار کے ان کا ذکر کرتا تھا۔ اس کے معمولی ملنے والے کو
بھی یہ معلوم تھا کہ ہندوستان کے کس شہر کے کس کونے میں
اس کے دست کرشمہ ساز نے موتی بکھیرے ہیں۔"۱۵

احسان دانش کا خاکہ "جیپسی" کے پرکشش عنوان سے احمد بشیر نے لکھا ہے۔ احسان دانش درویش صفت شاعر تھے کو کسی چپڑاسی سے گپیں لگاتا اور کبھی مزنگ کے قرب وجوار میں ٹاٹ پر اکڑوں بیٹھے ہوئے نظر آتا تھا۔ سڑکوں کے کنارے چلتے رہے، پیسہ اخبار کے قہوہ خانے میں بیٹھے قہوہ سے لطف اندوز ہوتے۔ احسان دانش مزدور شاعر ہیں انہوں نے جامعہ پنجاب میں مزدوری کی اور پھر اسی یونیورسٹی میں اعلی عہدے پر بھی فائض ہوئے۔ احسان دانش نے پوری زندگی بہترین مشورے سے لوگوں کو نوازا۔ وہ ہر ایک کے کام آتے اور دکھی شخص کی مدد کے لیے کمربستہ رہتے۔ وہ ہر وقت اور ہمہ وقت مدد کے تیار رہتے۔ گلی کوچوں میں ہر کی مدد کرنے والا احسان دانش گھر پر کسی کو ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ان کی اس عادت کی منظر کشی احمد بشیر نے یوں کی ہے۔

"احسان کو گھر پر ملنا آسان کام نہیں، کیونکہ وہ گھر پر ملتا ہی نہیں،
مل جائے تو آپ کو دیکھ کر باہر آجائے گا۔ لیکن کسی طرح اس کے

گھر کے اندر جانے کا اتفاق ہو جائے تو آپ دیکھیں گے
کہ اس کا گھر کبوتر خانہ، کتب خانہ، پنساری کی دوکان اور
مسجد دلچسپ امتزاج ہے۔"۱۶

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

احسان دانش فطرتاً حسن پرست تھا۔ احسان دانش نے ایک شمس رنڈی کو اپنے دل میں بنا سنوار کر رکھا ہوا تھا۔ احسان دانش کی ان عادات کا بڑی باریک بینی سے احمد بشیر نے جائزہ لیا ہے۔ احمد بشیر لکھتا ہے کہ احسان دانش کو کرسی پر بیٹھنا پسند نہیں تھا وہ ایڈیٹری کی نوکری چھوڑ کر ایک ڈاکٹر کے پاس بیس روپے ماہوار تنخواہ پر ملازمت کرنے لگا۔ احسان دانش نے چھٹی رسانی، مالی گری، مزدوری، معماری، رنگ سازی جیسے سب کام مختلف اوقات میں سرانجام دیئے لیکن اس کو کسی کام میں بھی اطمینان حاصل نہ ہوا۔ اس کے ملنے والوں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے اس کے زیادہ تر دوست ان پڑھ اور مزدور ہوتے تھے۔ اس کے قابل فخر دوستوں میں الامہ سبزی فروش، اسماعیل قصائی اور فخرو نانبائی شامل تھے۔ احمد بشیر احسان دانش کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ باقاعدگی سے نماز پڑھتے اور ان کی طبیعت عجز وانکساری کا پیکر تھی۔ عاجزی اور انسان دوستی ان کی زندگی کا حاصل تھی۔ احسان دانش مذہب کو ہی صراط مستقیم مانتا تھا۔ احمد بشیر نے احسان دانش کی انہی عادات متفرقہ کا اس کے خاکے میں باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

"وہ ایک خوددار آدمی ہے اگرچہ ایک عمر محتاجی اور مفلسی نے
اسے تھوڑا بہت خوشامد پسند اور شیخی باز بنا دیا ہے، جھوٹ سے
اسے سخت نفرت ہے اور جھوٹ بولے بھی تو بہت جلد اسے
بھول جاتا ہے، قرض لینے کو معیوب سمجھتا ہے ہاں دوستوں
سے پیسے یہ کہہ کر مانگ لیتا ہے کہ اتنی رقم بخش دو نہ بھی بخشیں
تو سمجھ لیتا ہے کہ بخشوالی اس کے باوجود اسے فکر دامن گیر
ہو جاتا ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے وہ قرض ادا کر دیا جائے۔"۱۷

ممتاز مفتی اردو کی ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ان کی شخصیت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا لیکن احمد بشیر نے جو خاکہ ممتاز مفتی کا لکھا ہے وہ بڑا اہمیت کا حامل ہے۔ احمد بشیر نے ممتاز مفتی کے خاکے کو "سورما" کا نام دیا ہے۔ احمد بشیر نے ممتاز مفتی کے ہر پوشیدہ پہلو کو اس خاکے میں عیاں کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے۔ ممتاز مفتی کا خاکہ اس کتاب کا سب سے اہم خاکہ ہے اور یہ خاکہ سب سے طویل بھی ہے اس خاکے کے ذریعے احمد بشیر نے ممتاز مفتی کی شخصیت کی کئی تہوں کو کھولا ہے۔ احمد بشیر نے ممتاز مفتی کو مختلف حالتیں بدلنے والا کیڑا کہا ہے اور احمد بشیر کہتا ہے کہ میں نے مفتی کو گرگٹ کہنے سے گریز کیا ہے اور اسے صرف کوا سا کہا ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے ممتاز مفتی کے بارے میں لوگوں کے خیالات بہت مختلف اور عجیب ہوتے ہیں۔ ممتاز مفتی اپنی شخصیت کا تاثر مجروح کرنے کے لیے خود ہی اپنی کمزوریوں کا اظہار کرنے لگ جاتا ہے۔ ممتاز مفتی کے عادات اطوار کے علاوہ احمد بشیر نے مفتی کا حلیہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے حالانہ حلیہ نگاری خاکے کی خشت اول کی مانند ہے لیکن احمد بشیر اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے سب سے زیادہ محبوب دوست ممتاز مفتی کا بھی ہلکا سا ہی حلیہ بیان کیا ہے۔

"چھوٹے قد کا مخنی آدمی لمبوترہ چہرہ، گدلی گدلی
بے جان آنکھیں اور بڑا سا سر۔ بات کیجیے تو
آپ حیران رہ جائیں گے۔ ارے یہ تو محض
جی حضوریا ہے۔"۱۸

احمد بشیر نے ممتاز مفتی کے خاکے میں چار دفعہ اضافہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ احمد بشیر کو جیسے نئی نئی جہتیں پتہ چلتی گئیں وہ لکھتا چلا گیا اور خاکے کے حجم کو بڑھاتا گیا۔ احمد بشیر نے ممتاز مفتی کی مجلسی زندگی کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ مجلس پسند نہیں تھا بلکہ اس کو گھر میں بیٹھے رہنے کا بڑا شوق تھا۔ اگر اسے کچھ کتابیں، چائے اور کھانے کو مل جائے تو اس مقید رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوتا تھا۔ ممتاز مفتی فضول خرچ ہے وہ اپنی اس عادت کو قرض لے لے کر بھی پورا کرتا تھا۔ وہ اپنی حماقتوں کا اعلانیہ اظہار کرتا ہے اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے لوگ اسے احمق خیال کریں گے لیکن اس کی تمام تر کوشش رائیگاں جاتی ہے کیونکہ لوگ اسے دانا اور سمجھ دار گردانتے رہے۔ ممتاز مفتی دوستی، محبت، ایثار اور قربانی کو حماقتیں سمجھتا ہے۔ ممتاز مفتی اپنی عادات میں پختہ ہے۔ اس کو صبح سویرے اٹھنے کی عادت تھی۔ وہ اپنی پرانی عادتوں سے جان سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

"سٹرانگ چائے پی پی کر اسے بار بار پیشاب کی عادت ہو گئی ہے۔ اس نے ایک مشہور ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے ملنے کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ اپنی کیفیت بیان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

کرتے ہوئے اس نے ڈاکٹر کا بتایا کہ بیماری اس قدر پرانی ہے کہ اسے اس کی ابتداء کے متعلق کچھ یاد نہیں رہا اور اب اس کا اس قدر عادی ہو گیا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے بغیر تصور ہی نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر ہنسا اور کہا پھر اس کے علاج کی کیا ضرورت ہے۔ مفتی ڈاکٹر کی بات سے اس قدر متاثر ہوا کہ دوائی لیے بغیر ہی لوٹ آیا۔"۱۹

ممتاز مفتی روایتی صوفی بھی نہیں تھا کہ وہ ہر دم اللہ کا نام جپتا ہے۔ ممتاز مفتی کا تصور اسلام مختلف ہے وہ مولوی کو بھی پسند نہیں کرتا۔ وہ ظواہر اور رسوم و قیود پر یقین نہیں رکھتا۔ نماز اسے آتی ضرور تھی لیکن اس نے کبھی پڑھی نہیں۔ ممتاز مفتی کی جب ایک ملامتی صوفی کے طور پر شہرت حاصل ہوئی اسکی وجہ اس کی قدرت اللہ شہاب سے نیاز مندی بھی اور اس کی اپنی دو کتابیں "تلاش"، "لبیک" ہیں۔ ان کتابوں کے چھپنے کے بعد اس کے ارد گرد ہجوم لگ گیا لوگ اسے صوفی ماننے لگے۔ اس کی اس شہرت کی وجہ سے لوگ اس کو دعاؤں کا بھی کہنے لگے۔ ممتاز مفتی واجبی شکل وصورت کا مالک تھا وہ حسن پرست تو تھا ہی لیکن اس کی طرف کوئی حسین کم ہی نگاہ التفات ڈالتا تھا۔ جب اسی سال کی عمر میں اسکے ارد گرد ہر سو حسن کے جلوئے نظر آنے لگے اور بہت سی حسیناؤں نے اس کو اپنا مرشد جاننا شروع کر دیا۔ ممتاز مفتی ان دنوں ہر وقت حسن کے اندر گھرا نظر آتا تھا۔ احمد بشیر نے ان حالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ممتاز مفتی ایک من موجی، حال مست جوگی ہے
پہاڑ پر رہتا ہے۔ مگر چرخے کی گھوگ سن کر اس کی
بشریت بیدار ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کی لوبھوادی
میں اتر آتا ہے۔ پھر وہ اپنے اندر سجا جماتا ہے۔
حسین لڑکیاں اس کے پاس بہت آتی ہیں۔
وہ محبتوں کی ماری ہوئی ہوتی ہیں یا خصموں کی
ماری ہوئی یا ماں باپ کی ماری ہوئی یا افسروں
کی ماری ہوئی یا تنہائی کی ماری ہوئی۔"۲۰

احمد بشیر نے ممتاز مفتی کے تصور خدا کو بھی خاکے کا حصہ بنایا ہے۔ وہ سادہ اور پیارے انداز میں خدا سے مخاطب ہوتا ہے۔ احمد بشیر کہتا ہے کہ ممتاز مفتی کے اللہ سائیں کے ساتھ تعلقات ہمسایوں جیسے ہیں۔ نہ اس نے کبھی اس کی دیوار پر سوکھنے کے لیے کپڑے ڈالے ہیں نہ کبھی میں نے اس کی دیوار پر کپڑے سوکھنے کے لیے ڈالے ہیں ۔ جب بھی میری اس سے آنکھیں چار ہوئیں میں سلام کر کے گزر گیا وہ مسکرا دیا۔ ممتاز مفتی حسن کا دیوانہ تھا وہ ہر وقت حسینوں کے جھرمٹ میں بیٹھنا پسند کرتا تھا، جب عمر کے اس حصے میں اس کے گرد خوبصورت عورتوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ اہ اب ہر لمحے دانش کی باتیں کرتا تھا۔ مرنے سے چند دن پہلے وہ لاہور مجھے ملنے آیا اس کو تھکن کا احساس تھا مجھے اس کی وجہ صرف وصرف حسینوں کی صحبت کا اثر محسوس ہوتا تھا۔ اس عمر میں اسکے منہ میں دانت نہیں تھے تو اس نے اپنی بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے اور یہ حسرت بھرے ممتاز مفتی کے الفاظ اس خاکے کا حسن بھی ہیں۔

"جب دانت تھے تو بادام نہیں تھے اب دانت نہیں
تو بادام ہی بادام چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں۔"۲۱

احمد بشیر نے ممتاز مفتی کے خاکے میں ایسا رنگ بھرا ہے شاید اب اسطرح کا خاکہ لکھنا ممتاز مفتی پر کسی اور ادیب کے بس کی بات نہ ہو۔ ممتاز مفتی کی زندگی کا ظاہری اور پوشیدہ گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جس سے ممتاز مفتی کی شخصیت کے کئی پہلو نمایاں ہوئے ہیں، اس خاکے کا اختتام بھی دل موہ لینے والا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

"الوداع ممتاز مفتی۔ میں نے تمہارے ساتھ اکاون
بھرپور سال گزارے۔ اس طویل عرصے میں تم نے
ایک دن بھی فراموش نہیں کیا۔ الوداع میرے
پیارے دوست۔ میرے غمگسار۔ مڑ مڑ کے نہ
دیکھ جانی، جا اور سیج پر سو جا۔ یعنی رات تھے جاگے۔"۲۲

کشور ناہید کا خاکہ بھی دامن دل اپنی طرف کھینچا ہے۔ اس خاکے میں جس انداز سے احمد بشیر نے کشور ناہید کے رویے اور انداز، تکلم، نشر برخاست کی جزئیات بیان کی ہیں وہ اس خاکے کا حسن ہیں۔ کشور ناہید کا خاکہ "چھپن چھری" کے نام سے جب شائع ہوا تو اسکی شہرت بہت ہوئی۔ یونس جاوید نے اس خاکے کی عمومی پذیرائی کو یوں بیان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

کیا ہے۔

"اس خاکے کی عجیب شہرت تھی کہ ہر کوئی اسے حاصل کرنا
چاہتا تھا۔لندن سے لاہور تک اکثر اہل دل نے مجھ سے
رابط کیا اور ایک مرتبہ توحمید اختر صاحب لندن سے لوٹے
تھے تو افتخار عارف کا پیغام مجھے دے گئے کہ اس خاکے کی
کاپی لندن بھجوائی جائے۔"۲۳

احمد بشیر نے کشور ناہید کی عادت اور خصائل کو موضوع بنایا ہے۔ اس نے اس کی جرات اور بے باکی کو بھی بیان کیا ہے۔ اس نے کشور ناہید کی روشن خیالی اور انداز تکلم پر بھی بات کی ہے۔ کشور ناہید محبت کے معاملے میں جوان کی بجائے بوڑھے شخص کو ترجیح دیتی ہے۔ جب کچی عمر کی لڑکیاں اس کے پاس اپنا دکھڑا سنانے آتیں ہیں تو ان کو کہتی ہے حرامزادیو اس وقت تو تم مجھے پوچھنے نہ آئیں جب تم نے آنکھیں لڑانا شروع کیں۔ اگر تم نے عشق ہی کرنا تھا تو کوئی بوڑھا تلاش کیا ہوتا۔ بیس سال کمینے پٹھے اکثر دھوکہ دے دیتے ہیں۔ کشور ناہید کا خاکہ لکھ کر احمد بشیر جیسا بے دھڑک ادیب جو ہر بات کھل کے کہنے کا عادی تھا بہت پریشان ہوا اسکی وجہ شاید الفاظ کا چناؤ تھا جو اس نے کشور ناہید کے لیے خاکے میں استعمال کیے اس نے اس خاکے میں بد تمیز لڑکی کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو ملامتی صوفی بنا دیا۔ اس کے بعد احمد بشیر کے قلم نے وہ غضب ڈھائے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس نے کشور ناہید کی گالیوں کا ذکر کیا ہے اس نے کشور ناہید کو گھٹیا عورت کہہ دیا اور اس کو گشتی عورت کا طعنہ بھی دے دیا۔ جب احمد بشیر یہ خاکہ لکھ چکا تو اس وقت اسے ملنے اس کا دوست اپنی بیگم کے ہمراہ آیا تو اس وقت احمد بشیر نے اس خاتون کو یہ خاکہ دکھایا اس نے کشور ناہید کے متعلق جو رائے دی وہ احمد بشیر نے من و عن نقل کر دی۔ ملاحظہ کریں۔

"کشور ناہید کے بارے لکھنے والی کون سی بات
ہے پھر آہستہ سے بولیں "حرامزادی" "مشٹنڈی"
"ـــمنڈیاں دی کھیڈ" اور میں سوچنے لگا کہ واقعی
آخر کشور ناہید کے بارے میں لکھنی والی بات کونسی ہے۔؟"۲۴

احمد بشیر نے جب یہ خاکہ صفدر میر کی صدارت میں ہونے والے جلسے میں پڑھا تو اس جلسے میں ایک بہادر جرات مند، خواتین کے لیے حوصلہ اور حقوق نسواں کی مضبوط آواز کشور ناہید زار و قطار رو رہی تھی۔ احمد بشیر کو اس پر بڑی شرمندگی ہوئی اس نے پھر اس کی وضاحت اور تردید کے لیے اس خاکے میں دو اضافے کیے جن میں اس نے کشور ناہید کی ناراضگی کا ذکر کیا اور اس کی تعریف و ستائش بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ احمد بشیر شاید خاکہ لکھتے ہوئے یہ بھول گیا کہ عورت جتنی بھی روشن خیال ہو اور جتنی بھی ماڈرن ہو وہ کبھی بھی اپنے بارے میں یہ سننا پسند نہیں کرتی۔ دو سال کی شدید ناراضگی کے بعد آخر کار کشور ناہید نے احمد بشیر کو معاف کر دیا۔

احمد بشیر اردو کے باکمال خاکہ نگار ہیں انہوں نے ظہیر کاشمیری اور خواجہ خورشید کے خاکے بھی بڑے کمال کے لکھے ہیں۔ اس کتاب میں احمد بشیر نے قدرت اللہ شہاب جیسے ادیب کا خاکہ بھی لکھا ہے اور اس میں قدرت اللہ شہاب کی ساری زندگی کا پورا مرقع پیش کر دیا ہے کہ کیسے قدرت اللہ شہاب نے اقتدار کی راہداریوں سے گزر کر روحانیت کا مصلی بچھا لیا تھا۔

احمد بشیر نے وراث میر کا خاکہ بھی خوب نبھایا ہے انہوں نے اس کے خاکے کو مجاہد کا عنوان دیا ہے اور کس طرح وراث میر نے ضیاء الحق کی آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس نے ضیاء الحق کو مسلح غنڈہ قرار دیا۔ اسلامی جمعیت طلباء کی کارستانیوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ کس طرح وراث میر کا جینا انہوں نے جماعت اسلامی کی ایماء پر جینا دو بھر کر دیا تھا گو یا یہ خاکہ آمریت کی سیاہ رات اور ضیاء الحق کے مکر و فریب کے ساتھ ساتھ مذہب کے نام پر منافقت کرنے والی اسلامی تحریکوں کی کاریگری کو بھی عیاں کیا ہے۔ اسکے علاوہ احمد بشیر نے میجر اسحاق، عبد الحمید بھٹی اور بریگیڈیئر عاطف کے بھی بہترین خاکے تحریر کیے ہیں اس نے ان کی شخصیت کا مکمل احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

احمد بشیر کے خاکے ایسے ہیں جو خاکہ نگاری کی نئی منزل کا پتہ دیتے ہیں۔ ان خاکوں میں کئی سال کی ادبی و سیاسی تاریخ کو سمویا گیا ہے۔ ان خاکوں میں نفسیات اور بے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

لاگ انداز تحریر نے لطف پیدا کر دیا ہے۔ احمد بشیر کے چھوٹے چھوٹے مگر کاٹ دار جملے دل بستگی کا سامان اکھٹا کیے ہوئے ہیں۔ وہ ان خاکوں کے ذریعے صرف اطلاعات ہی مہیا نہیں کرتے بلکہ ان شخصیات کے اندرون میں بھی جھانکتے ہیں وہ چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کو اس سلیقے سے بیان کرتے ہیں کہ لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ احمد بشیر نے ان خاکوں میں بے جا مداخلت تو نہیں کی لیکن کہیں کہیں رکیک حملے کیے ہیں۔ وہ لفظوں کے تخلیقی استعمال کا گر خوب جانتے ہیں۔ احمد بشیر شخصیت کا بناؤ سنگھار نہیں کرتا بلکہ اسی طرح اتار دیتا ہے جیسے وہ تھے۔ اسکا اسلوب جاندار اور توانا ہے۔ جزئیات تو خوب بیان کی ہیں لیکن حلیہ نگاری کی طرف کوئی خاص توجہ نظر نہیں آتی۔ احمد بشیر نے ان خاکوں کے ذریعے شخصیات کا یوں نقشہ کھینچا ہے کہ ان کی پوری تصویر پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد بشیر؛ جو ملے تھے راستے میں، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۶؛ ص ۴

۲۔ نازیہ مختار، نثری اصناف، کراچی، ادارہ یادگار غالب؛ ۲۰۱۶؛ ص ۲

۳۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۴۔ علی محمد ڈاکٹر، اصناف نظم و نثر؛ لاہور؛ الفصیل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۶؛ ص ۲۷۰

۵۔ احمد بشیر؛ جو ملے تھے راستے میں؛ لاہور؛ الفیصل ناشران و تاجران کتب؛ ۲۰۱۶؛ ص ۴۱۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۳۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۹۔

۸۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۹۔ ایضاً، ص ۶۸۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۷۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۸۴۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۳۰۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۷۵۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۸۳۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۶۸۔